© rasailojaraid.com

محسنِ انسانیتؐ

معاہدات

(از جناب نعیم صدیقی صاحب)

(بسلسلۂ گذشتہ)

معاہدات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا، خصوصاً جبکہ مذہبی اختلافات موجود ہوں، سیاسی تعصبات پیدا ہو جائیں، درمیان میں کھلی کھلی مخالف طاقتیں مداخلت کر رہی ہوں۔ اور معاملہ بالعموم ایسے قبائل اور عناصر سے ہو جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لیے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، وقت کو پہچاننا، اس توازنِ قوت کو سمجھنا جو کسی خاص لمحے مختلف اجزائے معاشرہ کے درمیان کارفرما ہو، مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا، شرائط کی وہ خاص درمیانی لکیر تلاش کرلینا جہاں تک کسی قبیلے یا عنصر کو لایا جا سکتا ہو اور پھر نفسیاتی لحاظ سے گفت و شنید میں اثر انداز ہو جانا — ایسے بے شمار لوازم پورے کرنے پڑتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دائرہ کار میں جس درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت اور "ڈپلومیٹک" کا نمونہ پیش کیا ہے اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی، اور اس وجہ سے نہیں مل سکتی کہ حضورؐ نے اتنے وسیع تعلقات مختلف حالات میں پیدا کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر نظریۂ حق، اپنے اخلاقی اصولوں اور اپنے سیاسی مرتبے کو ذرا سا بھی نقصان پہنچنے نہیں دیا۔ ورنہ ڈپلومیٹک دائرے میں جس بُری طرح سے اصولِ اخلاق کا قتلِ عام ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے لفظ "ڈپلومیسی" بدنام ہو کر رہ گیا۔ خود سیاست آج ایک مکروہ مشغلہ اسی لیے بن کر رہ گئی ہے کہ سیاست کا کوئی اخلاق نہیں ہوتا اور یہ ایک ایسا اٹیکٹ ہے کہ جدھر کو حرکت کرتا ہے انسانیت کی قیمتی قدروں کو روندتا چلا جاتا ہے۔ مگر حضورؐ نے ڈپلومیسی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاست کا بالکل مفہوم بدل کے رکھ دیا اور ان کاموں کو نہ صرف آلائشوں سے پاک کر دیا بلکہ نیکی اور عبادت کی روح سے سجا دیا۔ اسلامی اصولوں کے ساتھ سیاسی اور ڈپلومیٹک سرگرمیوں کو جاری رکھنا اور پھر ان میں غیر معمولی درجے کی کامیابی حاصل کرنا اور اس کے ذریعے بے شمار بکھرے ہوئے قبائل کو اپنے گرد مجتمع کر لینا آج کتابوں کے اوراق میں پڑھتے ہوئے آسان معلوم ہوتا ہے مگر ریگستانِ عرب میں جب عملاً یہ کام ہو رہا ہوگا تو کرنے والا ہی جان سکتا ہے کہ کیسی کٹھن مہم ہوگی۔

معاہدانہ روابط کا یہ سلسلہ نہ صرف اس لحاظ سے دعوت کی توسیع میں مد تھا کہ حلیف قبائل میں مسلم داعیوں کو آمد و رفت اور عوام سے گھلنے ملنے کے کھلے مواقع حاصل ہو جاتے تھے اور خود ان قبائل کے افراد کا رابطہ بھی مدینہ سے بڑھ جاتا تھا، بلکہ یہ اس لحاظ سے بھی تحریک کے اثرات کی توسیع کا موجب تھا کہ اس کی وجہ سے مسلم طاقت اپنی سیاسی بصیرت کی وجہ سے عوام کی معتمد علیہ بنتی چلی گئی۔ لوگ محدود مذہبی اور صوفیانہ تصورات کے بنائے ہوئے نیک آدمیوں پر کتنے بھی فریفتہ ہوں اور ان کے تقدس مرعوب رہیں، لیکن وہ زندگی کی قیادت کی باگ ڈور انہیں کبھی نہیں سونپا کرتے۔ زندگی کی قیادت دنیا میں ہمیشہ ان عناصر کو دی جاتی ہے جن کے بارے میں اندازہ ہو کہ یہ کاروبارِ زندگی کے لیے ضروری بصیرت رکھتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی گروہ کے بارے میں بڑی ستائش سے کام لے کر کہا کرتے ہیں کہ وہ تو بڑے اچھے لوگ ہیں، بڑے نیک کام کرتے ہیں، بڑی خدمتِ خلق میں مصروف ہیں لیکن اس ستائش میں یہ تاثر بھی مضمر ہوتا ہے کہ کارِ دنیا کے لیے یہ سخت ناموزوں بھی ہیں۔ ایسے گروہ لوگوں کی یہ باتیں سن کر بارہا مغالطوں میں بھی پڑ جاتے ہیں کہ رائے عام ہمارے حق میں اچھی ہے۔ مسلم طاقت اگر ایسا انسانی کردار بنا کے سامنے لاتی ہوتی جو مذہبی رنگ میں نیکی کا پیکر اور روحانی لحاظ سے تقویٰ کا مجسمہ تو ہوتا لیکن معاملاتِ دنیا اور مسائلِ تمدن و سیاست میں کوئی اہلیت نہ دکھا سکتا تو تاثر یہ تو ہوتا کہ کچھ بھلے لوگ ہیں، اللہ والے ہیں، اچھی باتیں کہتے ہیں اور لوگوں سے نیک سلوک کرتے ہیں لیکن ایسا قطعاً ممکن نہ تھا کہ عوام الناس ان سے کسی نظامِ نو کی اقامت کی امیدیں رکھ سکتے اور ان کو سلطنت چلانے اور سماج کی قیادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کا اہل مان سکتے۔ اسلامی تحریک ایسے "اللہ لوک" بنانے نہیں آئی تھی جو بہ حیثیت فرد بہت ہی اللہ والے، بھلے مانس اور مسکین تسلیم کیے جائیں لیکن اجتماعی دائرے میں کارفرما اور کارپرداز بننے کے لیے سیاسی بصیرت کا ضروری سرمایہ نہ رکھتے ہوں۔ لوگ ان کو ایک متبادل مگر صالح تر قیادت کی حیثیت سے قبول نہ کریں اور ان کے ہاتھوں کسی روشن مستقبل کی تعمیر کی توقع نہ رکھیں۔ مسلم کردار جتنا زیادہ خدا پرست اور متقی تھا اتنا ہی زیادہ سیاسی بصیرت سے بھی آراستہ تھا۔ اس معاملے میں اس نے اپنا سکہ اپنی عملی کارگزاری سے منوا لیا۔ جوں جوں لوگ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلو میں اقدام کرنے والی مسلم طاقت کی قائدانہ صلاحیتوں سے متاثر ہوتے گئے، مدینہ ان کی امیدوں کا مرکز بنتا گیا اور اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ ان کے دل بھی اسی تدریج سے اسلام کے لیے کھلتے چلے گئے۔ گویا دین کی دعوت اور سیاسی اثرات کی توسیع کے دونوں کام ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے اور ایک دوسرے کے لیے ممد۔

یہ حقیقت ذہن میں رکھ کر ان معاہدانہ تعلقات کا جائزہ لیجیے جو حضورؐ نے بڑے وسیع پیمانے پر قائم کر دکھائے اور اس کام میں آپ کی رفتارِ کار حیرت انگیز حد تک تیز رہی ـــــ باوجودیکہ ذرائع رسل و رسائل کے لحاظ سے حالات سخت ناموافق تھے۔

۱۔ بیعتِ عقبہ: معاہدانہ روابط میں سرِفہرست بیعتِ عقبہ آتی ہے جو بیک دم ایک پہلو سے مذہبی میثاق ہے اور دوسرے پہلو سے سیاسی معاہدہ۔ پہلی بار کی بیعت میں محسنِ انسانیت کے ہاتھ پر انصاری نوجوانوں نے قبولِ رسالت کی بیعت کی اور دوسری بار آپ کی سیاسی قیادت کا عہد بھی شامل کیا۔ مکہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے راستے کے دونوں طرف پہاڑوں کی متوازی دیواریں آتی ہیں۔ منیٰ سے کوئی ایک فرلانگ بھر پہلے بائیں ہاتھ کی پہاڑی میں نصف دائرے کا ایک کھاؤ ہے اور اس کھاؤ کے دامن کے طور پر ایک میدانی قطعہ دکھائی دیتا ہے۔ یہی وہ محفوظ جگہ ہے جہاں راتوں کے پُراسرار سکوت میں بیعت ہائے عقبہ واقع ہوئیں۔ مدینہ میں یہود کی موجودگی کی وجہ سے انصار الہامی دین کا ذوق رکھتے تھے اور سلسلۂ نبوت سے انہیں تعارف حاصل تھا۔ نیز آخری نبیؐ موعود کی پیشینگوئیاں ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے تھیں اور یہود کا یہ چیلنج بھی کہ جب وہ نبی آجائے گا تو ہم اس کے ساتھ ہو کر تم لوگوں کو مغلوب کریں گے۔ اس طرح انصار میں جہاں الہامی ہدایت کی طلب پیدا ہو چکی تھی وہاں غیر شعوری طور پر یہ جذبہ بھی اثر انداز تھا کہ وہ نبی آجائے تو ہم پہلے لبیک کہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اوس و خزرج کے درمیان باہمی آویزش کا جو سلسلہ چلا آ رہا تھا اس سے تھک کر وہ ایک دورِ امن کے خواہاں تھے مگر رکاوٹ یہ تھی کہ دونوں میں سے کوئی قبیلہ بھی سابق حریفانہ فضا کی وجہ سے دوسرے قبیلہ کی قیادت قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ ان کو کسی تیسری طاقت کی احتیاج تھی۔ یہ سارے وجوہ تھے جن کے زیر اثر مدینہ کے ذہین اور شریف لوگوں کو جونہی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست تعارف ہوا اور حضورؐ کی دعوت سننے کا موقع ملا تو قبولیت کے لیے ان کے دل کھل گئے۔ نبوت کے چرچے تو ان تک پہلے ہی پہنچ چکے تھے، لیکن بالمشافہ گفتگو نے انہیں قطعی فیصلہ تک پہنچا دیا۔ آنحضورؐ کی وجاہت اور شخصیت کا اثر جب کلماتِ دعوت میں شامل ہوا ہو گا تو اس ذہنی انقلاب کی تکمیل ہو گئی ہو گی، جس کے لیے انصار کی فطرت میں پہلے سے آمادگی موجود تھی۔ وہ لمحہ ایک عجیب نازک تاریخی لمحہ تھا یعنی انصار مدینہ (پہلی بیعت کے موقع پر) یہ ارادہ لے کے چلے تھے کہ قریش سے حریفانہ رابطہ استوار کریں اور اگر ایسا ہو جاتا تو تحریک اسلامی کی تاریخ کا رُخ کچھ دوسرا ہوتا۔ مگر عین وقت پر جماعتِ انصار کا ارادہ بدلتا ہے اور وہ قریش کا خیال چھوڑ کر اس نئی قوت سے رابطہ جوڑ لیتے ہیں جو تاریخ کے افق سے اپنی ابتدائی کرنوں کے ساتھ آغازِ طلوع کر رہی تھی۔

پہلی مرتبہ کی بیعت میں حضورؐ نے چند اعتقادی و اخلاقی امور کا عہد لیا۔ یعنی معاہدہ باندھنے والے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اولاد کو قتل نہیں کریں گے، کسی کے خلاف کوئی بہتان نہیں گھڑیں گے اور معروف کے دائرے میں رسول خدا کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

دوسری بیعت میں انصار نے ان امور کا اضافہ کیا کہ ہم رسول اللہ کے سامنے ہر حال میں سمع و طاعت سے کام لیں گے، چاہے مشکلات درپیش ہوں یا آسانیاں ہوں، ہمارے دلوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی حکم پسند ہو یا ناپسند اور خواہ کوئی بات ہماری رایوں کے خلاف ہو رہی ہو، اور یہ کہ ہم اہلِ قیادت سے کشمکش نہیں کریں گے، اور یہ کہ ہم کسی بھی حال اور کسی بھی موقع میں ہوں حق بات کہیں گے، اور یہ کہ اللہ کے دین کے معاملے میں ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔"

ان مختصر الفاظ میں گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار کے درمیان سیاسی رابطہ استوار ہوگیا اور اس جماعت نے واضح طور پر ایک سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کر لی۔ حضورؐ کی قیادت کو انہوں نے سمع وطاعت کے عہد کے ساتھ پوری طرح قبول کیا، یہ اقرار بھی باندھا کہ اربابِ قیادت کے خلاف کوئی کشمکش نہ کی جائیگی اور جاہ و منصب کو چھیننے جھپٹنے کے لیے کوئی اقدام نہ ہوگا، مشاورت کا اصول طے پاگیا کہ ہر موقع پر حق بات پیش کی جائے گی اور اقامتِ دین کی جدوجہد کے بارے میں پیمان بندھ گیا کہ جو جو کچھ فرائض اور مطالبات اور ذمہ داریاں ہم پر عائد ہونگی انہیں دنیا بھر کے طعن و ملامت سے بے نیاز ہو کر سرانجام دیں گے۔ یہ ایسی بیعت تھی کہ اس کے بعد جونہی کوئی قطعۂ ارضی (TERRITORY) اس جماعت کے زیر اثر آجائے جس میں اس کے اوپر کوئی سیاسی اقتدار کارفرما ہو بلکہ قیادت اس کے اپنے ہاتھوں میں ہو تو یہ جماعت معاً ایک ریاست میں بدل جائے۔

ان امور کے ساتھ مزید یہ بھی طے پاگیا کہ حضورؐ کے مدینہ منتقل ہوجانے پر معاہدہ باندھنے والے انصار حضورؐ کی ایسی ہی حفاظت کریں گے جیسی کہ وہ اپنے ازواج و اولاد کی کرتے ہیں۔ گویا مدینہ کی اسلامی جماعت اور حضورؐ کے درمیان دفاعی وحدت کا تعلق بھی قائم ہوگیا اور اس لحاظ سے بیعت عقبہ کی سیاسی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ کر "انقلابی" ہوجاتی ہے۔

پھر حضورؐ کے ارشاد سے انصارِ مدینہ کی اسلامی جماعت کی طرف سے بارہ نمائندہ نقیب نامزد کیے جاتے ہیں جو حضورؐ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ان نقیبوں کے سر دعوتِ اسلامی کو پھیلانے کے علاوہ سیاسی ذمہ داری بھی ڈالی گئی۔ بقول عبداللہ بن ابی بکرؓ حضورؐ نے ان نقیبوں سے فرمایا کہ تم لوگ اپنی اپنی قوم کے اسی طرح ذمہ دار ہو جیسے حضرت عیسیٰ کے سامنے ان کے حواری ذمہ دار تھے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بھی اپنے گروہ — یعنی مسلم جماعت — کا ذمہ دار ہوں[1]۔

نقیبوں کے تقرر کے ساتھ مدینہ کے لیے جو تنظیمی ہیئت تشکیل دی گئی وہ فقط مذہبی نہ تھی بلکہ سیاسی و انقلابی تھی۔ ایسی ہیئت کی فطرت تقاضا کرتی ہے کہ وہ جلد از جلد — پہلا موقع ملتے ہی — ریاست کی شکل اختیار کرے۔ عالم واقعہ میں ہوا بھی یہی کہ حضورؐ کے جانے کے چند ماہ بعد اسلامی ریاست کی نیو ڈال دی گئی۔

گویا اسلامی تحریک ابتدائی دعوت کا دور پورا کر کے سیاسی تعمیر کے دور میں داخل ہوئی تو معاہدہ کے ذریعے داخل ہوئی، نہ کہ جنگی قوت کا استعمال کر کے۔

۲۔ دستوری معاہدہ | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں چلنے والی تحریک اسلامی کی تاریخ میں دوسرا عظیم ترین معاہدہ وہ ہے جس پر مدینہ کی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ شاید دنیا بھر کی تاریخ میں مجرد ایک ریاست کا قیام بھی بغیر تھوڑی بہت قوت استعمال کیے نہیں ہوا ہوگا، کجا کہ معاملہ ایک نظریاتی ریاست کا ہو جس کے اساسی نظریے نے ماحول میں ہل چل مچا دی ہو۔ پھر اس کا قیام ایک اجنبی ماحول میں اور گوناگوں عناصر کے تعاون سے عمل میں آئے۔ یہ دستوری معاہدہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت کی ایک ایسی مثال پیش کرتا ہے جس کا کہیں جواب نہیں۔ اس معاہدہ کے فریقوں کو دیکھیے تو ان میں مہاجرین شامل ہیں، انصار کے دو بڑے قبائل اوس و خزرج کے مسلم افراد شامل ہیں، ان کے مشرک اور یہودی افراد شامل ہیں، یہود کے متعدد قبائل شامل ہیں درآنحالیکہ ان میں باہمی چپقلش موجود تھی۔

درحقیقت حضورِ پاک ننہالی تعلقات کی وجہ سے مدینہ کو بچپن سے جانتے تھے کیونکہ وہاں رہ چکے تھے۔ پھر بہ حیثیت داعیِ حق آپؐ نے مکہ ہی کے آخری دو تین برس میں مدینہ سے رابطہ قائم ہو جانے کے بعد وہاں کے مخصوص حالات پر سیاسی نقطۂ نظر سے اچھی طرح کاوش کی تھی اور ہجرت کے بعد مدینہ آ کر تو براہِ راست وہاں کے جملہ عناصر کے باہمی معاملات کا فہم حاصل کر لیا تھا۔ مدینہ کی کل آبادی

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۳ تا ۱۵۸، عہدِ نبوی کے میدان ہائے جنگ۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ص ۸ تا ۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وقت اندازاً ۵ ہزار ہو گی اور اس تعداد میں تقریباً نصف یہودی تھے۔ اس ساری آبادی میں مہاجرین اور انصار کو ملا کر مسلم گروہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۵ سو ہو گی۔ اسی فعال، بیدار اور منظم اقلیت کے بل پر حضورؐ نے ۵ ہزار کی آبادی کو اپنی قیادت کے حلقہ میں لے لیا۔ انصار کے دونوں قبیلے جو ۱۲ ضمنی قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک تاریخ آویزش رکھتے تھے اور عام آبادی بھی تصادم در تصادم کے چکر سے تھکی ہوئی تھی، کیونکہ ہمیشہ کچھ عرب اور کچھ یہودی ایک طرف اور کچھ عرب اور کچھ یہودی دوسری طرف ہو کر جنگ و جدل میں پڑتے رہتے تھے۔ اب امن کی پیاس موجود تھی اور اسی مقصد سے ایک تعمیری قیادت کی طلب کارفرما تھی۔ کچھ ہی مدت پہلے قیادت کا خلا پُر کرنے کے لیے عبداللہ بن ابی کی تاجپوشی کی تیاریاں شروع بھی ہو چکی تھیں، لیکن یکایک حضورؐ اور آپؐ کی دعوت سے تعارف حاصل ہو جانے پر انصار اِدھر متوجہ ہو گئے۔ خود یہودیوں کا حال بھی یہ تھا کہ ان کے دو بڑے گروہ جو داخلی طور پر ۱۰ قبیلوں میں منقسم تھے باہم دگر حریف تھے اور ایک غیر نسل اور غیر علاقے میں انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں مٹ مٹا نہ جائیں۔ پھر جب یکایک حضورؐ نے انصار کو اپنے ساتھ وابستہ کر لیا اور ان کے سابق حلیفانہ روابط یہودیوں سے ٹوٹنے لگے، تو اس وقت یہودیوں نے پیروں تلے سے زمین سرکتی محسوس کی۔ اس صورتِ حالات میں نبی اکرمؐ نے یہود کے حق میں وحیِ الٰہی کے تحت تالیفِ قلب کرنے اور ان کے بہترین جذبات کو اپیل کرنے کی سعیٔ بلیغ کی تو سیاسی وحدت قائم کرنے کے لیے میدان ہموار ہو گیا۔ مدینہ کی آبادی کے جملہ عناصر کو سمجھنا، ان کے مفاد اور مسائل کا شعور حاصل کرنا اور ان کی نفسیات کو مناسب رُخ پر ڈھالنا اور پھر اس عظیم سیاسی کارنامہ کو بہت ہی کم مدت میں سرانجام دے لینا محسنِ انسانیت کی سیاسی عظمت سے ہمیں مرعوب کر دیتا ہے۔

مسلم جماعت جو اعتقاداً اور اخلاقاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کے تحت انتہائی مضبوط تنظیم رکھتی تھی اور پھر بیعتِ عقبہ نے اسے ایک سیاسی انقلابی پارٹی کی حیثیت بھی دے دی تھی، تیز یہ اپنی اصولی دعوت کے زور سے نشوونما پانے کی صلاحیت بھی رکھتی تھی، اس نے مدینہ میں سیاسی لحاظ سے مرکزی اہمیت حاصل کر لی۔ انصار کے قبائل میں نہ کوئی جوابی نظریہ یا ردِّ عمل موجود تھا اور نہ کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقابل کی مثبت یا منفی ذہن کی قیادت ۔ کیونکہ ان کے سرداروں کی بیشتر تعداد پہلے ہی اسلامی تحریک کی طرف کھنچ آئی تھی۔ ان کے اندر کے مشرک اور یہودی افراد اچھی خاصی بڑی تعداد رکھنے کے بعد کوئی مخالفانہ حرکت نہیں رکھتے تھے بلکہ پرسکون تھے اور سیاسی حیثیت سے سرکردہ مسلم عناصر کے پیچھے چلنے والے تھے۔ یوں بھی کوئی اکا دکا عرب یا یہودی قبیلہ مسلم جماعت کے مقابلے میں کچھ بھی وزن نہیں رکھتا تھا۔ مدینہ کی آبادی کے عناصر کی یہ ترتیب حضورؐ کے نقشۂ کار کے لیے بالکل سازگار تھی اور آپ نے ابتدائی مسائل سے فارغ ہوتے ہی چند ماہ کے اندر اندر ہیئتِ سیاسیہ کی تشکیل کر لی۔

مذکورہ بالا معاہدہ جو یورپین مستشرقین کے تجزیہ کے مطابق ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے۔ تاریخی ریکارڈ کی بنا پر اس معاہدے کے متعلق ایک اختلاف یہ ہوا ہے کہ بعض لوگوں نے پوری دستاویز کا سنہ ۱ھ میں لکھا جانا بیان کیا ہے اور بعض نے تحقیقی رائے یہ بھی دی ہے کہ اس کا ایک حصہ سنہ ۱ھ کا ہے اور دوسرا حصہ اس میں غزوۂ بدر کے بعد شامل کیا گیا ہے۔ یعنی مغربی تقسیم کے مطابق دفعات ۱ تا ۲۳ اور ۲۴ تا ۴۷ دو الگ الگ حصے ہیں۔ ہم اگر اس دوسری رائے کو قبول کریں تو اس صورت میں بھی رسولِ خدا کی سیاسی حکمت کارفرما نظر آتی ہے۔ حضورؐ نے پہلے مہاجرین اور جملہ انصار (مسلم و غیر مسلم) پر مشتمل ہیئتِ سیاسیہ کی تشکیل کر دی۔ اس کے وجود میں آجانے کے بعد یہودی قبائل نے اپنے آپ کو الگ رکھتے ہوئے کمزور اور معرضِ خطر میں محسوس کیا ہوگا، کیونکہ سیاسی لحاظ سے وہ بالکل ہوا میں معلق رہ گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے مسلم طاقت کو میدانِ بدر سے اپنی توقعات کے خلاف فاتح بن کر نکلتے دیکھا ہوگا تو انہیں فکر ہوئی ہوگی کہ ہم کو بروقت مدینہ کی ہیئتِ سیاسیہ میں اپنی جگہ بنا لینی چاہیے۔

یہ دستوری دستاویز جس کی نظیر بقول ڈاکٹر حمید اللہ پہلے کی تاریخ میں قطعاً نہیں مل سکی اعلیٰ درجہ کے سیاسی سلیقے سے لکھی گئی ہے، نہایت ہی محتاط دستاویزی زبان میں ہے۔ اور اس میں حضورؐ نے اپنی مطلوبہ نظریاتی و سیاسی اقتدار کو مختلف عناصر سے تسلیم کرایا ہے۔ یہ مناسب موقع ہے کہ ہم اس دستاویز کے اہم ترین مندرجات پر نگاہ ڈالیں تاکہ اس کی سیاسی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کیا جا سکے۔

اس دستاویز کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوا، اور اس کا سرعنوان ہے: "ھٰذا کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ یعنی یہ نوشتہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو نبی ہیں۔ گویا پیرایۂ آغاز ہی میں نظریۂ اساسی کی بنیاد رکھ دی گئی۔

اس دستاویز پر مبنی ہیئتِ اجتماعیہ کا مرکزی عنصر بہرحال مسلم جماعت کو قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً پیرایۂ آغاز میں دستوری نوشتہ کا دائرہ یوں نامزد کیا گیا ہے" بین المومنین والمسلمین من قریش ویثرب" اور اس پر اضافہ ہے" ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم" (دفعہ ۱)۔ گویا ریاست کا مرکزی عنصر مکہ اور مدینہ کے اہلِ ایمان ہیں اور بقیہ ان کے تابع لاحق اور حامی ہونے کی صورت میں شہریت سے بہرہ مند ہیں۔ چنانچہ یہود کے قبائل کو شریک معاہدہ کر کے "مومنین کے ساتھ" کے الفاظ سے سیاسی امتِ واحدہ میں شمار کیا گیا (دفعات ۲۵ تا ۳۵)۔ پھر مندرج ہے کہ "اہلِ ایمان دوسرے انسانوں کے بالمقابل آپس میں ایک دوسرے سے بھائی چارہ رکھتے ہیں" (دفعہ ۱۵)۔ پھر صلح و جنگ میں تمام مسلمانوں کو مشترک قرار دیا گیا ہے (دفعہ ۱۷)۔ پھر ایمان والوں پر لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ قصاص کے لیے مل کر اٹھیں اور قاتلوں کو پناہ نہ دیں، نیز ان پر زیادتی کر کے خون بہایا جائے تو اس کا انتقام لیں۔ (دفعہ ۱۹، ۲۱، ۲۲)۔ پھر لازم کیا گیا کہ کوئی ایمان والا کسی کافر کے بدلے میں کسی ایمان والے کی جان نہ لے گا اور نہ کسی ایمان والے کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا (دفعہ ۱۴)۔ مسلمانوں کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور اسے اللہ کے ذمہ کی حیثیت سے سب کو نبھانا ہوگا (دفعہ ۱۵)۔ جب کوئی اختلاف واقع ہو تو خدا اور محمدؐ کی طرف رجوع کیا جائے گا (دفعہ ۲۳)۔ متقی ایمان والوں پر واجب کیا گیا کہ وہ ہر جرم، گناہ اور تعدی کی صورت میں اس کے انسداد میں متحد ہوں (دفعہ ۱۳)۔ ابتدائی حصے میں دستور کی نظریاتی روح کو نمایاں کرنے کے لیے بار بار یہ جملہ آتا ہے کہ فلاں فلاں (مسلم) قبیلہ فدیہ وغیرہ کے معاملات میں "معروف" اور "قسط" پر کاربند ہوگا — اور وہ بھی اس مفہوم کے ساتھ جو "بین المومنین" مسلّم ہے (دفعہ ۳ تا ۱۲)۔ نہایت ہی اہم اسلامی اصطلاح "فی سبیل اللہ" بھی شاملِ دستور کی گئی (دفعہ ۱۹) اسی طرح "ظلم" اور "بر" اور "اثم" کی اصطلاحات بھی متن میں داخل ہوئیں۔ (دفعہ ۳۶)۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ نکتہ شاملِ دستاویز ہے کہ "متقی ایمان والے سب سے اچھے اور سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیدھے راستے پر ہیں (دفعہ ۲۰)۔ پھر "ان النصر للمظلوم" کے الفاظ سے ایک خالص اسلامی کلیہ جو بین الانسانی بھی ہے، تسلیم کرا لیا گیا۔ اور یہ بھی کہ خدا اُس کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی تعمیل زیادہ سے زیادہ اخلاص و وفاداری سے کرے" (دفعات ۴۲-۴۶-۴۷)

اس دستاویز میں سیاسی امور کو جس خوبی سے طے کیا گیا ہے اس کا بھی جائزہ لیجیے۔ دستاویز میں شرکاء کے سکنی علاقے یعنی جوفِ مدینہ کو جس کا رقبہ تقریباً یکصد مربع میل تھا (مدینہ کا جغرافی ماحول ہم بیان کر چکے ہیں اور وضاحت کے لیے نقشہ بھی دیا گیا ہے) نہ صرف یہ کہ اسلامی ریاست کی ابتدائی سرزمین (TERRITORY) قرار دیا گیا ہے بلکہ اسے حرمِ مقدس بھی قرار دیا گیا (دفعہ ۳۹)۔ اس معاہدہ کے جملہ شرکاء کو ایک سیاسی وحدت (انہم امۃ واحدۃ من دون الناس) قرار دیا گیا (دفعہ ۱)۔ یہ دفعہ سیاسی حکمت کی مظہر ہے کہ پہلے سے طے کر دیا گیا کہ یہود میں جو بھی ہماری اتباع کرے اسے مدد اور مساوات (یہ حقوقِ شہریت) حاصل ہوگی۔ یہ گویا پیش بندی بھی تھی اور ترغیب بھی۔ (دفعہ ۱۶) کمالِ سیاست کا شاہکار یہ ہے کہ اختلاف ہونے پر اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف رجوع کیا جائے گا (دفعہ ۲۳) کوئی جھگڑا یا قتل واقع ہو تو خدا اور خدا کے رسول محمدؐ کی طرف رجوع کیا جائے گا (دفعہ ۴۲)۔ کسی زخم یا مار کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی (دفعہ ۳۶)۔ ظالم کے ظلم یا قاتل کے جُرم کا وبال صرف اس کی ذات یا اس کے گھرانے (خوں بہا میں خاندان شریک ہوتا تھا) پر ہوگا، کسی دوسرے پر نہیں (دفعہ ۲۵ و ۲۶) سیاسی ہیئت کے ابتدائی واحدے قبیلوں ہی کو قرار دیا گیا اور ان کو تسلیم کر کے ان پر مرکزی اقتدار قائم کیا گیا۔

دفاعی سیاست کے لحاظ سے یہ باتیں طے ہوئیں کہ: اگر یثرب پر حملہ ہو تو شرکاء کے لیے باہمی امداد کرنا ضروری ہوگا (دفعہ ۴۴)۔ اگر معاہدہ کے کسی فریق سے کوئی جنگ کرے تو اس کے خلاف سارے شرکاء سچے جذبے سے امداد کریں گے (دفعہ ۳۷) اس دستاویز نے ایک دفعہ کے ذریعے دفاعی بالادستی بھی حضورؐ کے ہاتھ میں دے دی کہ کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر فوجی کارروائی کے لیے نہیں نکلے گا (دفعہ ۳۶)۔ کسی فریق کی اپنی مذہبی لڑائی کے بارے میں شرکاء کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی (دفعہ ۴۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر شرکاء کو کسی صلح کے لیے مدعو کیا جائے تو سب کے ساتھ وہ بھی صلح کریں گے (ایضاً) قریش کے حلیفانہ تعلقات کا قطعی خاتمہ کرنے کے لیے یہ بھی منوالیا گیا کہ کوئی مشرک (غیر مسلم شہری) قریش کے جان و مال کو کوئی پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا (دفعہ ۲۰) اور قریش کو کوئی پناہ نہ دی جائے گی اور نہ اس کو جو انہیں مدد دے (دفعہ ۴۳)۔ جنگی مصارف کے متعلق یہ حقیقت پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ یہودی اپنا حصہ ادا کرنے میں کنجوسی دکھائیں گے اور اگر اجتماعی فنڈ ان کے ہاتھ میں گیا تو وہ خیانت سے کام لیں گے ..... حضورؐ نے کمالِ بصیرت سے معاملہ یوں طے کیا کہ ہر فریق اپنے اپنے جنگی مصارف خود برداشت کریگا۔ (دفعہ ۲۴-۳۷)

اقتصادی لحاظ سے ایک طرف خونبہا اور قیدیوں سے فدیہ کا بار عرب کے معروف طریقے پر شخصِ متعلق کے قبیلے پر پھیلا دیا گیا۔ غیر مستطیع مقروض کے قرض کی ذمہ داری بھی اجتماعی کر دی گئی۔

مذہبی آزادی کے لیے وضاحت کر دی گئی کہ مسلمانوں کے لیے ان کا دین اور یہود کے لیے ان کا مذہب (دفعہ ۲۵)۔ درحقیقت مسلم جماعت تو سیاست اور دین دونوں کے لحاظ سے ایک وحدت تھی اور اس پر دوہری ذمہ داریاں عائد تھیں مگر خالص سیاسی رابطے کے دائرے میں جملہ شرکاء کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی دی گئی۔[1]

اب ان نکات کو دستاویز کے خلاصہ کی حیثیت سے زیرِ نظر لائیے اور پھر ایک ایک جزء پر غور کیجیے کہ حضورؐ نے کس حکمت سے اپنی آئیڈیالوجی کو دستور کی اساس اور روح بنایا، مسلم جماعت کو مرکزی حیثیت دلائی، اپنی قیادت اور اتھارٹی — سیاسی، دفاعی، عدالتی — ہر لحاظ سے منوائی، قریش کا مقابلہ کرنے کے لیے سب کو مشترک نکات پر جمع کر لیا اور بے شمار خطرات کے رخنے پہلے سے بند کر لیے۔ واضح رہے کہ اس "معاہدہ" کی نوعیت ایک دستوری دستاویز کی ہے جس کے کسی ایک فریق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ جب چاہے علیحدگی اختیار کر لے یا معاہدہ توڑ دے۔ ایسا کرنا سرے سے اس حقِ شہریت کو ختم کر دیتا ہے جسے اسلامی ریاست کے حدود میں بھی

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۱۲۳-۱۱۹۔ عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ص ۷۶ تا ۱۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاہدہ حلق کر رہا تھا یہی وجہ ہے کہ جن یہودی قبائل نے بعد میں اس معاہدہ کو پوری طرح پامال کر دیا ان کے خلاف وہ کارروائی کی گئی جو غداروں اور باغیوں کے خلاف کی جاتی ہے۔

یہاں ضمناً فرضیتِ ہجرت کے اہم نکتہ کو اس دستاویز کی روشنی میں سمجھ لینے کا موقع ہے۔ مدینہ کی ریاست کی اساس جس مسلم جماعت پر رکھی گئی تھی، فرضیتِ ہجرت کا ایک مقصود یہ تھا کہ یہ جماعت زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو۔ اس میں شک نہیں کہ عرب کے قبائلی نظام میں متفرق اکا دکا مسلمانوں کا پڑے رہنا اس امر کا موجب ہو سکتا تھا کہ وہ تھوڑی بہت کشمکش کرکے، بالآخر جاہلی معاشرے میں تحلیل ہو جائیں یا جبر و تشدد کا شکار ہو جائیں۔ اس وجہ سے بھی ایک ایک ذرّے کو سمیٹ لینا ضروری تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مدینہ کی اسلامی ریاست کا استحکام بھی پوری اہمیت سے اس کا متقاضی تھا۔ بعد میں جب یہ دونوں ضرورتیں باقی نہ رہیں تو "لاھجرۃ بعد الفتح" کا اعلان کر دیا گیا یعنی جب سارا عرب دارالاسلام بن گیا اور مدینہ کی قیادت کے زیرِ نگیں آگیا اور اسلام لانے والوں کے لیے کسی علاقے میں بھی مزاحم فضا باقی نہ رہی تو مدینہ ہجرت کرکے آنے کی پابندی اٹھا لی گئی۔

اس معاہدے کے مطابق مدینہ کی اسلامی ریاست وجود میں آئی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت قائم ہوئی، بکصد مربع میل علاقے میں جو ۵ ہزار کی آبادی رکھتا تھا، مسلمانوں کو دعوتِ حق کے لیے بالکل کھلا دائرہ پہلی بار حاصل ہوا جہاں اسلام کا سیاسی اقتدار بھی دعوت کے کام میں ازخود ممد تھا۔ پھر اس علاقے کے آس پاس جاکر کام کرنے کے لیے بھی اسلامی حکومت کا وجود کارکنوں کے لیے پشتیبان بن گیا۔

۴۔ متفرق قبائل سے معاہدات | مدینہ کو ایک سیاسی وحدہ بنانے اور اسلامی حکومت کی نیو ڈالنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے آس پاس کے قبائل کو ساتھ ملانے کی فکر کی۔ دو تین بار صحابہ کی جماعتوں کو مہمات پر بھیجا۔ ہجرت کے بارھویں مہینے یعنی صفر میں فرماں روائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس وَدّان (مدینہ سے بجانب مکہ ایک قصبہ ہے) کا رُخ کیا۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے قبیلہ بنی حمزہ (یا بنی ضمرہ) بن بکر بن عبد مناف سے معاہدہ استوار کیا۔ قبیلہ کی جانب سے عمرو بن مخشی الضمری نے دستخط کیے[1]۔ اس سے قبل مہاجرین کا ایک

[1] ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۲۳، زاد المعاد ج ۱ صفحہ ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفد اسی جانب عیص کے مقام تک گیا اور حلیفانہ تعلقات کی اچھی فضا پیدا ہو گئی[۱]۔ پھر ربیع الاول سنہ ۲ھ (ہجرت کے تیرھویں ماہ) میں دوبارہ بُواط (ینبوع کے علاقے میں جُہَینہ کے پہاڑوں میں سے ایک) کی جانب تشریف لے گئے یہاں کی آبادی سے بھی گفت وشنید کامیاب رہی اور حلیفانہ تعلقات قائم ہو گئے[۲]۔ پھر جمادی الاُخریٰ میں بمقام ذوالعُشیرہ (علاقہ ینبوع) تشریف لے گئے۔ وہاں بنو مُدلج اور ان کے حلیف قبیلہ بنو ضمرہ سے معاہدانہ روابط کے لیے گفت وشنید بہت دنوں جاری رہی۔ ان سے بھی معاہدہ ہو گیا[۳]۔ ہمارے پیش رووں کی ایک رائے یہ ہے کہ ان معاہدات سے یہ قبیلے اور علاقے درحقیقت مدینہ کے سیاسی وحدہ کا جزو بن گئے تھے اور متعلقہ علاقہ مدینہ کی سلطنت کا ایک حصہ ہو گیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ معاہدات کے بعض اہم اجزاء اور بعض اصطلاحات دستوری معاہدہ سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن اگر بالکل ابتدائی دور کے متعلق ایسا نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بعد میں جُہَینہ سے حلیفانہ تعلقات کا ارتقاء اس نہج پر جاری رہا کہ یہ لوگ دوسرے عرب قبائل سے بہت پہلے اسلام میں داخل ہوئے اور ایک ہزار کی جمعیت نے مدینہ آکر حضورؐ کی خدمت میں تعاون پیش کیا اور عملاً غزوات میں حصہ لیتے رہے۔ اس قبیلہ کی مختلف شاخوں سے اسلامی ریاست کے معاملات کا جو ریکارڈ موجود ہے وہ اسی کی توثیق کرتا ہے۔ مثلاً بنی الجُرمز (جُہَینہ کی ذیلی شاخ) کو حضورؐ نے امن وسلامتی کا تحریری پروانہ عطا کیا۔ بنی شمخ یا شخ (جُہَینہ کی ذیلی شاخ) کو ان کا پورا علاقہ بطورِ جاگیر مستقل طور پر تفویض کر دیا۔ اسی طرح عوسجہ بن حرملہ جہنی کو اس کے مسکن ذوالمرہ (بہ جانبِ ساحل) کے قریب جاگیر کا پروانہ عطا کیا گیا۔ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کے لیے جب معاہدۂ حدیبیہ کی وجہ سے مدینہ جانے کا موقعہ نہ رہا تو وہ مکہ سے ہجرت کر کے اسی ساحلی علاقے میں آگئے تھے۔ عین ممکن ہے کہ عوسجہ جیسے سرداروں کی حمایت بھی انہیں حاصل رہی ہو اور وہ مقامی لوگوں کے تعاون ہی سے قریشی قافلوں کی مزاحمت کرتے ہوں[۴]۔

---

۱ رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ص ۲۵۹ ۲ رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۱۲۶۔ زاد المعاد حوالہ سابق

۳ ابن ہشام ص ۲۳۵، رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۱۲۹

۴ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی۔ مضمون "عام قبائل عرب سے تعلقات"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلقات اور آگے بڑھے۔ میل جول کی وجہ سے دعوت کا کام جاری رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قبائل بہ حیثیت مجموعی اسلامی تحریک کے علمبردار بن گئے۔ عقبۂ جہنی کی بیعتِ اسلام کا حال ہمارے سامنے ہے۔
حضورؐ کے دورِ آخر میں ایک نیا پروانۂ امن بنی جُرمُز، بنی الحرقہ اور عمرو بن معبد جہنی کے نام جاری ہوا جس میں وہ شرائط ہیں جو مسلم قبائل پر عائد ہوتی ہیں۔ یعنی نماز و زکوٰۃ کی پابندی، خمس کی ادائیگی، مخالفین اسلام سے انقطاع، قرضوں کے سود کا ترک ان کے لیے لازم کیا گیا تھا۔ مدینہ میں قبیلہ جُہَینہ کے نام کی مسجد بھی دورِ نبوت میں بن گئی تھی، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاصی تعداد میں جہنی لوگ اسلامی جماعت میں شامل ہو کر مدینہ آ بسے ہوں گے۔

بنو غفار ان چند قبائل میں سے ہیں جنہوں نے بڑی تعداد میں بہت پہلے اسلام قبول کیا۔ یہ قبیلہ اپنے مثالی نوجوان حضرت ابو ذرؓ کی دعوت سے متاثر ہوا۔ جنگِ بدر کے قریبی زمانے میں اس قبیلہ کے لوگوں نے حضورؐ سے معاہدہ کیا جس کی اساس اس جملے پر ہے کہ "انھم من المسلمین وعلیھم ما علی المسلمین" ہماری رائے میں اگرچہ اس کے ایک جزء میں اس قبیلہ کے غیر مسلم عناصر کا لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن فی الحقیقت یہ قبیلہ گویا مدینہ کی ہیئتِ اجتماعیہ کا جزو بن گیا اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے علاقہ کو مدینہ کے زیرِ نگیں نہ سمجھا جائے۔

بنو ضمرہ جس کی بہت سی شاخوں میں سے ایک بنو غفار کی شاخ تھی، اسی کا ایک ذیلی قبیلہ بنو عبد بن عدی بھی تھا جس کا قیام حدودِ حرم میں تھا۔ اس شاخ نے قریش سے مجبورانہ تعلقِ مصالحت کے باوجود مسلم حکومت سے دوستانہ تعلقات استوار کیے۔ صرف قریش کے خلاف جنگ میں شامل ہونے سے استثنیٰ حاصل کر کے بقیہ ہر لحاظ سے حضورؐ کے ساتھ حلیفانہ رابطہ جوڑ لیا۔

قبیلہ مُزینہ مدینہ سے صرف ۲۰ میل کی دوری پر فرع کی سمت میں بجانب شمال مغرب (بقول ابو یوسف) آباد تھا۔ سنہ ۵ھ میں یہ قبیلہ حلقۂ اسلام میں شامل ہوا۔ لیکن ان سے حلیفانہ تعلقات لازماً ان کے ہمسایہ قبائل کے ساتھ ہی ساتھ آغاز پا چکے تھے۔ اس قبیلہ کے ایک سردار بلال بن حارث کو قَبَلیّہ (یا قبیل)، کی سونے کی کانیں حضورؐ نے بطورِ جاگیر عطا کیں۔ چنانچہ ایک حالیہ کھدائی میں یہاں کے قبرستان سے جاگیر کے فرمان کا کتبہ ملا ہے۔ فتح مکہ کے بعد سردار مذکور کو بہت سی زرعی زمین بھی بطورِ جاگیر دی گئی۔ ان باتوں سے یہ اخذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے کہ فرماں روائے مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کتنی زیادہ توجہ ساحلی علاقے کے قبائل پر صرف کی، کیونکہ سیاسی جغرافیہ کے لحاظ سے یہ خاص کلیدی مقامات پر قابض تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جاگیروں کے فرامین یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ علاقے شروع ہی میں (ان قبائل کے قبولِ اسلام سے قبل) حکومتِ مدینہ کی سرزمین سے سیاسی طور پر ملحق ہو چکے تھے۔ ؎

قبیلہ غطفان کی ایک شاخ بنو اشجع تھے۔ یہ بھی تجارتی شاہراہ کے متصل آباد تھے۔ شاہ راہ کی ناکہ بندی سے جب قریشی سلسلۂ تجارت رک گیا تو ان کی معاش پر اس کا اثر پڑا۔ کیونکہ یہ کاروانوں کی خدمت کر کے کمائی کر لیتے تھے۔ معاشی بحران سے مجبور ہو کر ان کا وفد مدینہ پہنچا اور معرکۂ خندق سے قبل ہی انہوں نے اسلام قبول کر کے معاہدہ استوار کیا۔ ان کی طرف سے معاہدہ پر دستخط نعیم بن مسعود نے کیے۔ نعیم بن مسعود تو چند ساتھیوں سمیت عین غزوۂ خندق کے دوران میں اسلامی تحریک کے دائرے میں آئے۔ اس لیے بوقتِ معاہدہ سارا قبیلہ داخلِ اسلام نہ ہوا تھا۔ تاہم معاہدہ کی اساس اس فقرے سے واضح ہوتی ہے کہ "حالفہ علی النصر والنصیحۃ" یعنی حمایت و نصرت اور خیر اندیشی و خیر سگالی کے وسیع تعلقات استوار ہوئے۔ اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنو عامر بن عکرمہ نے قافلوں کے پڑاؤ کا کاروبار چلانے کے لیے استحقاقِ خصوصی کا پروانہ حضورؐ سے حاصل کیا۔ اس شاخ کے ایک سردار کو بھی غزوۂ خندق سے قبل جاگیر دی گئی۔ ؎

اب ہم ان چند حلیفانہ رابطوں کا ذکر کرتے ہیں جو غزوۂ خندق کے مابعد قائم ہوئے۔

قبیلۂ خزاعہ یمن کی قحطانی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور بہت سی شاخوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ مکہ کے اردگرد پھیلے ہوئے تھے۔ بنی مصطلق کے علاوہ اس قبیلہ کی اکثر شاخیں مسلمانوں سے اچھے روابط رکھتی تھیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جناب عبدالمطلب نے ان کے ساتھ مستقل حلیفی رکھی تھی۔ اس قبیلہ نے معاہدۂ حدیبیہ کی گنجائش سے فائدہ اٹھا کر علی الاعلان قریش کو چھوڑ کر مدینہ کی اسلامی حکومت سے حلیفی قائم کر لی۔ اسی رابطے کی بنا پر ایک طرف تو اس قبیلے نے جنگِ احزاب کے لیے قریش کی زیادتیوں

؎ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ۔

؎ ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اطلاع حضورؐ کو پہنچائی اور دوسری طرف حضورؐ نے بھی فتح مکہ سے قبل ان کو ایک مکتوب میں اطمینان دلایا تھا کہ ان کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ نیز اطلاع دی تھی کہ بنو کلاب اور بنو ہوازن نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ لیکن وقت آنے سے قبل یہ بنو بکر کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور ان کی مظلومی ہی فتح مکہ کی محرک بنی

خزاعہ کی ایک شاخ بنو اسلم تھے۔ ان کے نام حضورؐ کا جو پروانہ ملتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ نسبتہً پہلے ہی سے اسلام میں داخل اور اسلامی ریاست کے زیر نگیں ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ تو مدینہ میں ہجرت کر کے آ بسے تھے۔ اس خاندان کے سردار الحصین بن اوس کو حضورؐ نے جاگیر بھی عطا کی تھی جو حلیفانہ تعلقات کی محکمی کی دلیل بھی ہے اور اس سے متعلقہ علاقہ کا الحاق مدینہ سے ہونا بھی متبادر ہوتا ہے

تبوک کے شمالی علاقے میں جُذام، قضاعہ اور عذرہ کے قبائل آباد تھے جنہوں نے اپنے مخالفانہ رویہ سے خاصی مشکلات اسلامی حکومت کے لیے پیدا کی تھیں۔ ان لوگوں نے مدینہ کے سفیر کو لُوٹ لیا تھا۔ پھر تادیبی مہم ان کے خلاف بھیجی گئی۔ اس مہم کی زد میں غلطی سے بعض بے قصور لوگ بھی آئے پس یہ لوگ مدینہ میں فریاد لے کے آئے اور تلافی کی گئی۔ اس طرح تعلقات کی راہیں بھی کھلیں۔ حضورؐ کی دستاویزات میں ایک مکتوب رفاعہ بن زید جذامی کے نام ملتا ہے جس میں بڑا بھاری الٹی میٹم ہے۔ اس سردار کو مخاطب کر کے اس کی ساری قوم کو متنبہ کیا گیا ہے کہ یا تو وہ اسلامی دعوت کو قبول کر کے اللہ اور رسول کی جماعت میں شریک ہو جائے ورنہ روگردانی کرنے کی صورت میں دو ماہ کی امان ہے۔ حالات کا اس نہج سے ارتقاء بالآخر جس صورت پر منتج ہوتا ہے وہ یہ تھی کہ حضورؐ کی تبوک سے واپسی پر (۹ھ) مالک بن احمر جذامی نے مدینہ میں آکر حضورؐ سے ملاقات کی اور پروانہ حاصل کیا۔ اس پروانہ میں وہ شرائط درج ہیں جو معمولاً صرف مسلم قبائل کے لیے ہوتی تھیں۔ یعنی ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح قضاعہ کا ایک سردار بریدہ بن الخصیب کسی مہم کے دوران میں حضورؐ سے مدینہ کے باہر ہی ملا اور اس نے اپنی قوم کی طرف سے قبولِ اسلام کا قول دے کر پروانہ حاصل کیا۔

۶ھ میں قبیلۂ کلب کی طرف حضورؐ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ایک دعوتی مہم پر بھیجا۔ نتیجہ حسب منشا نکلا اور سردار نے اظہارِ وفاداری اور استحکام رابطہ کے لیے اپنی بیٹی کا نکاح عبدالرحمٰن بن عوف سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا۔ اسی طرح بارگاہِ نبوی سے ایک پروانہ کلبیوں کے نومسلم سردار حارثہ بن قطن کے نام جاری ہوا، جو دومتہ الجندل کے قرب و جوار کے کلبیوں سے متعلق ہے۔ خود اکیدر (والیٔ دومتہ الجندل) سے معاہدہ ہوا۔ اختلافِ روایات ہے کہ آیا وہ اسلام لایا یا بغیر اسلام لائے جزیہ دینے کی شرط پر سرداری بحال رکھا گیا۔ بہرحال بعد میں اس نے اپنے اسلام یا معاہدۂ طاعت سے انحراف کیا اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بعد میں اس کے قلعے اور افتادہ زمینوں کو اسی کلبی سردار حارثہ بن قطن کی تحویل میں دے دیا گیا۔

اہلِ طائف کے عمومی قبولِ اسلام سے قبل صرد بن عبداللہ ازدی اسلامی تحریک کے علمبرداروں میں آملے۔ حضورؐ نے ان کو اس علاقے میں فوجی کارروائیوں کے لیے کمانڈ تفویض کی۔ حضورؐ ہی کے اذن سے انہوں نے جرش کے قلعے کا محاصرہ کیا جو معاہدۂ صلح پر منتج ہوا۔ مصالحت کے بعد یہاں کی گورنری ابوسفیانؓ کو سونپی گئی۔

بنو ازد جو عمان شہر میں آباد تھے اور عبید اور جیفر نامی دو اشخاص ان کے رئیس تھے، ان کی طرف عمرو بن العاص حضورؐ کا نامۂ دعوت لے کے سفارۃً میں گئے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔[1]

ہم نے ان قبائل کا تذکرہ آئندہ اوراق کے لیے مؤخر کر دیا، جنہوں نے عام الوفود میں بطورِ خود مدینہ میں وفود بھیج کر اسلام قبول کیا یا کم سے کم حکومتِ مدینہ کی سیاسی اطاعت اختیار کی۔

علاوہ ازیں فوجی کارروائی کے نتیجے میں جہاں کسی گروہ نے اطاعت قبول کرنے یا مصالحت کرنے کی خواہش کی وہاں فوراً اس کے لیے راستہ دیا گیا۔ مدینہ کی مستقل اصولی پالیسی یہ تھی کہ محارب بھی صلح کا خواہاں ہو تو اس کی خواہشِ امن کا احترام کیا جائے۔ چنانچہ متعدد قبائل نے میدانِ جنگ میں اترنے کے بعد یا تو سیاسی اطاعت اختیار کر لی یا اسلام قبول کیا۔ اس سلسلے کی ایک نمایاں مثال خیبر اور ملحقہ علاقہ کے یہودیوں کی ہے کہ مفتوح ہونے پر جب انہوں نے وہیں رہنے کی درخواست کی تو شرائط طے کر کے ان کو رکھ لیا گیا۔

ان سارے واقعات کو سامنے رکھیے تو ماننا پڑتا ہے کہ تصادم سے بچ کر حلیفانہ تعلقات پیدا کرنا حکومتِ مدینہ کی سرگرمیوں کا اہم ترین شعبہ تھا اور حضورؐ اور آپ کے رفقاء نے بہت ساری مہمات

---

[1] سیرت النبی۔ شبلی نعمانی ص ۲۴۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی شعبہ کار کے لیے اٹھائیں اور متعدد سفر کیے۔ یہ سرگرمیاں اسلامی ریاست کے امن پسندانہ نقطہ نظر کا بڑا بیّن ثبوت ہیں پھر اس معاملے میں حضورؐ نے ایک اصولی و نظریاتی ریاست کے تقاضے سامنے ہونے کے باوجود پالیسی میں یہاں تک وسعت رکھی کہ اسلام نہ لانے والے قبائل کی طرف سے محض سیاسی حلیفی کو بھی قبول کر لیا اور متعدد صورتوں میں غیر مسلم سرداروں اور حاکموں کو اپنی طرف سے مامور یا بحال فرمایا۔ مدعا یہی تھا کہ تصادم کے مواقع کم سے کم رہ جائیں۔ بعد کا یہ فیصلہ تو بہت سارے تلخ تجربات کی روشنی میں کیا گیا کہ کم سے کم جو سرزمین اسلامی تحریک کے گھر کی حیثیت رکھتی ہے اس کے ماحول کو پاک اور پُرامن رکھنے کے لیے اسے مخالف عناصر سے خالی کرالیا جائے، ورنہ ان کی غدارانہ حرکات سارے کام کا ستیاناس کر دیں گی۔

اوپر کے روابط کا تجزیہ کر کے دیکھیں تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جہاں کہیں اسلام پہنچا وہاں سے مدینہ کو سیاسی اطاعت از خود حاصل ہوئی اور اسی طرح جہاں کہیں سیاسی حلیفی کا تعلق قائم ہو گیا وہاں بھی کچھ ہی مدت میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قبائل کا جب مدینہ سے میل جول بڑھتا ہوگا تو وہ اسلامی نظریہ حیات کے اعجازات کو مرئی آنکھوں سے دیکھ کر متاثر ہوتے ہوں گے، نیز ان کے اندر تحریک کے کارکنوں کو دعوتی کام کرنے کے لیے پُرامن فضا حاصل ہوتی ہوگی۔ دین و سیاست کی یہی وحدت تھی کہ جس نے بارہ لاکھ مربع میل علاقے کو چند برس میں اسلام کے رنگ میں رنگ دیا۔

(باقی)

© rasailojaraid.com